

فقروفاقہ اور اس کا اسلامی حل

۸۱

از: یوسف القرضاوی - ترجمہ و تلخیص: عبدالحمید صدیقی

زکوٰۃ انصاف کے ساتھ عائد کی گئی | اسلام نے مال پر زکوٰۃ مقرر کرنے میں بڑے عدل و انصاف سے کام لیا ہے۔ اس نے دو متمند کی محنت کا بھی خیال رکھا ہے اور غریب و نادار کے حق کا بھی۔ دو متمند کے ساتھ نا انصافی نہیں کی گئی اور فقیر کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ابن قیم اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں زکوٰۃ کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر عنوان لکھتے ہیں:-

زکوٰۃ کے سلسلہ میں آپ کا طرز عمل ہر لحاظ سے کامل و مکمل تھا، وقت کے لحاظ سے بھی، قدر کے لحاظ سے بھی، نصاب کے لحاظ سے بھی اور مصرف زکوٰۃ میں بھی۔ اس میں ارباب اموال اور غریب و مسکین دونوں کی ضروریات و مصالح کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مال اور صاحب مال کے لیے باعث طہارت بنایا ہے۔ چنانچہ اسے صرف اغنیاء پر ہی واجب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ زوالِ نعمت سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ اس کے مال میں برکت اور افزائش ہوتی ہے اور آفات کو اس سے دور کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا زکوٰۃ ادا کرنا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے ایک قسم کی حفاظت، فسیل اور قلعہ بن جاتا ہے۔“

زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار فرض ہے۔ نیز اسے بچوں اور ضلوع کے بچنے اور مکمل ہونے کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ منصفانہ قانون ہے کیونکہ ہر ماہ یا ہر جمعہ اسے فرض قرار دینا صاحب مال کے لیے ضرر رساں تھا اور عمر میں صرف ایک بار فرض کرنا مسکین کے حق میں نقصان دہ تھا۔ چنانچہ سال میں ایک بار فرض کرنا فی الحقیقت سب سے زیادہ منصفانہ ہے۔ پھر حصول دولت کے لیے صاحب دولت کی کوشش و محنت اور کلفت و مشقت کو دیکھ کر زکوٰۃ کی مقدار میں بھی فرق کر دیا گیا۔ چنانچہ ایسی دولت جو کسی شخص کو اپنا ہے، جس شدہ مل جاتے، ہمارے دینیہ، تو اس پر خمس یا چوں

فرض کیا گیا اور اس کے لیے سال کا گزرنہ شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ جو نہی ایسا خزانہ ملے شمس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ رہے پھل اور فصلیں جن میں انسان کو حصول دولت کے لیے اس سے زیادہ محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے، اس پر یکازہ سے نصف یعنی عشر (دسواں حصہ) زکوٰۃ لگائی گئی ہے بلکہ زمین کی درستی، آبپاشی اور لباقی وغیرہ پر زیادہ محنت و مشقت سے سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ تو ان فصلوں اور باغات کے متعلق ہے جن کی آبیاری قدرتی ذرائع آبپاشی سے ہوتی ہے اور انسان کو پانی وغیرہ خریدنے یا کنواں وغیرہ کھودنے کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی۔ مگر جس زمین کی آبیاری کے لیے انسان کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے یعنی وہ اس کی آبیاری نہروں اور نالیوں یا کنوؤں سے کرتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔ اور جب مال و دولت کی بڑھوتری کا اختصار صاحب مال کی مسلسل محنت و کوشش پر ہو یعنی وہ اس کے لیے کبھی تو سفر کی صعوبتیں برداشت کرے اور کبھی حصول زر کے ذرائع (مثلاً دکان کارخانہ اور دیگر تجارتی ادارے وغیرہ) کے انتظام و انصرام اور نگرانی کی تکلیف اٹھائے تو ایسی صورت میں مال کا ربع عشر (چالیسواں حصہ) زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔

بلاشبہ موقوفہ ذکر کام میں فصلوں اور پھلوں کی پیداوار سے زیادہ تکلیف اور مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اور فصلوں اور پھلوں کی پیداوار میں تجارت کی نسبت ترقی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا تجارتی مال کی نسبت فصلوں اور پھلوں پر زیادہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔ اور جس زمین کو بارش یا نہر سے سیراب کیا جائے اس کی پیداوار اس زمین سے زیادہ ہوتی ہے جس کو نہر یا چکیوں کا ریزوں اور نہالیوں وغیرہ سے سیراب کیا جائے۔ اور ایک جگہ جمع شدہ مال یعنی دینہ مل جائے تو یہ صورت حصول زر کی مذکورہ بالا تمام صورتوں سے زیادہ نفع بخش اور آسان ہے۔ پھر چونکہ مال کی ہر مقدار کا مالک اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی مدد کرے اس لیے مال کی ایک خاص مقدار بطور نصاب مقرر کر دی گئی ہے کہ صرف بقدر نصاب مال رکھنے والے ہی پر فریضہ زکوٰۃ عائد ہوتا کہ ارباب مال کے ساتھ بھی زیادتی نہ ہو اور فقراء مساکین کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

پروردگار عالم نے صدقہ کا ان اٹھ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے جو انسانوں کی دوستیوں میں پائے جاسکتے

ہیں۔ پہلے تو وہ لوگ ہیں جو کسی حاجت و ضرورت کے پیش نظر صدقہ لیتے ہیں اور حاجت کی شدت و کمی اور کثرت و قلت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں فقراء و مساکین، غلام اور مسافر وغیرہ آتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو منفعت کے لیے لیتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ جمع کرنے والے، مولد القلوب اور اصلاح ذات البین کے لیے فرض یا تاوان وغیرہ ادا کرنے والے اور راہ حق کے مجاہد شمار ہوتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ و صدقات لینے والا محتاج نہ ہو اور اسے صدقہ دینے میں مسلمانوں کے لیے کوئی منفعت نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں۔

زکوٰۃ کے بارے میں حکومت کی ذمہ داری زکوٰۃ جیسا کہ واضح ہو چکا، ایک مقررہ مسلم حق ہے۔ یہ خداوند عالم کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا حق نہیں جسے افراد کی سوا بید پر چھوڑ دیا جائے کہ ان میں سے جو فرد اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ تو اسے ادا کر دے اور جس کا یقین آخرت پر کمزور ہو اور خوف الہی سے بھی اسے بہرہ کم تر ملا ہو، وہ اسے ادا نہ کرے۔ یہ انفرادی حسان نہیں بلکہ ایک اجتماعی انتظام ہے جو حکومت کی زیر نگرانی کام کرتا ہے اور ایک سرکاری ادارہ اسے چلاتا ہے۔ وہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے اور ان لوگوں کو دیتا ہے جن کے لیے یہ فرض کی گئی ہے۔

قرآنی دلیل | اس پر سب سے واضح ترین قرآنی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے کام کی نگرانی کرنے والوں کا اکٹھے اور الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ انہیں عاملین علیہا سے موسوم کیا ہے۔ زکوٰۃ کے مال میں ان کا بھی حصہ رکھ دیا ہے۔ اور انہیں اس بات کا محتاج نہیں رکھا کہ وہ کسی دوسرے ذریعے سے اپنی تنخواہیں لیں تاکہ انہیں معاشی طور پر تحفظ حاصل ہو جائے اور وہ اپنے کام کو باحسن وجہ انجام دے سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ	صدقات تو بس فقیروں، مسکینوں اور عاملین کیلئے
وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاةِ قُلُوبُهُمْ وَ	میں جو ان صدقات دے کے وصول اور تقسیم کرتے ہیں
فِي السُّبُحِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ	پر مقرر ہیں۔ اور ان کے لیے ہیں جن کے دروں میں

وَابْنِ السَّبِيلِ قَرِيبَيْنِ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
حَكِيمٌ (سورہ توبہ: ۶۰)

الفت وانی ہے۔ اور گردنوں کے چھڑانے اور
قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ اور اللہ
کے زاوہ میں (خرچ ہونے چاہیے)۔ فرض ہے
اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

کتاب اللہ کی اس نص صریح کے بعد کسی تاویل اور تفسیل اور ظن و قیاس کی گنجائش نہیں۔ خاص کر اس
کے بعد تو بالکل ہی گنجائش نہیں ہو سکتی جب کہ اس آیت نے مستحقین زکوٰۃ و صدقات کی اقسام اور حد بندی
کو فریضۃ من اللہ لکھ دیا ہے۔ اب کون ہے جو اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض کو معطل کرنے کی جرأت
کر سکے؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ ہی میں زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ
سَكَنٌ لَهُمْ - (توبہ: ۱۰۳)

لے لیجیے ان کے اموال میں سے صدقہ تاکہ آپ پاک
کر دیں ان کو اور صاف کر دیں انہیں اس صدقے کے
ذریعے اور دعا کیجیے ان کے حق میں بلا شک آپ کی
دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہے۔

منتقدم و متاخر جمہور مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اس آیت میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اور خطاب
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر اس شخص سے ہے جو بعد میں مسلمانوں کا والی ہو۔

سُنتِ نبوی | ابن عباس سے مروی جو مشہور حدیث صحیحین وغیرہ میں وارد ہے اس میں ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے فرمایا تھا: "جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے
مسلمانوں پر ایک صدقہ فرض کیا ہے۔ جو ان کے اغنیاء سے لے کر فقراء و مساکین کو دیا جاتا ہے۔ تم اغنیاء کو
اس کے ادا کرنے کا حکم دینا اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر دیکھو، ان کے عمدہ اور بہترین مال مست لینا۔
اور مظلوم کی دعا سے ڈرنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔"

اس حدیث کے جس حصے کو ہم بطور استدلال پیش کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ فرمان اس فرض شدہ صدقہ (زکوٰۃ) کے بارے میں ہے جو اشیاء سے لئے لے کر فرائض امت کو دیا جاتا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک وصول کرنے والا زکوٰۃ وصول کرے اور ایک تقسیم کرنے والا اس سے غریب و مساکین میں تقسیم کرے نہ کہ اس شخص کے اختیار اور سوا بید پر چھوڑ دیا جائے جس پر اس کا ادا کرنا فرض ہے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حاکم وقت ہی زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے صرف و تقسیم کا ذمہ دار ہوتا ہے، خواہ وہ یہ کام خود کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے اسے انجام دے، اور جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس سے جبراً وصول کرے۔"

یہ جو کچھ قولی حدیث میں وارد ہے اس کو اس سنت عملی اور تاریخی حقیقت سے اور بھی تصدیق پہنچتی ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور ان کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اسی لیے علمائے کبار نے کہا ہے حاکم وقت کا یہ فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھیجے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد خلفائے راشدین زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھیجا کرتے تھے۔ نیز چونکہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو مالدار تو ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ ان پر مالدار ہونے کی صورت میں کیا کچھ واجب ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کچھ نہیں ہوتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو ان کے پاس بھیجنا بہت ضروری ہے۔

قوم کے اربابِ اموال پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اس اہم فرض کی ادائیگی میں ان زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے تعاون کریں اور خفی زکوٰۃ ان پر واجب ہوتی ہو وہ انہیں ادا کر دیں اور اموال زکوٰۃ میں سے کوئی شے بھی ان سے پوشیدہ نہ رکھیں۔ یہی حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کے اصحاب کا۔

جابر بن عقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس کچھ سوار آئیں گے جو تمہاری نظر میں ناپسندیدہ ہوں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں مرسا کہو اور

جو کچھ وہ کرنا چاہیں انہیں کرنے دو۔ اگر وہ عدل و انصاف سے کام لیں گے تو یہ اُن کے حق میں اچھا ہوگا اور اگر وہ ظلم و زیادتی سے کام لیں گے تو وہ اپنے کیے کی خود سزا پا لیں گے۔ ان کی خوشی اور رضا کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے زکوٰۃ پوری ادا کر دی ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جب میں آپ کے فرستادے کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو کیا میں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس سے بری الذمہ ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب تم میرے فرستادے کو زکوٰۃ ادا کر دو گے تو تم اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ اور تم اس کے اجر کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اور گناہ کا مستحق وہ ہوگا جو اس میں رد و بدل کرے گا۔“

صحابہ کرام کے فتوے | سہل ابن ابی صالح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ”میرے پاس کچھ مال جمع ہو گیا جو نصاب زکوٰۃ کو پہنچ گیا تھا۔ میں نے سعد ابن ابی وقاص، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ کیا میں اُسے خود ہی تقسیم کر دوں یا حاکم وقت کے حوالے کر دوں؟ سب نے مجھے حکم دیا کہ حاکم وقت کے حوالے کر دو اور کسی نے بھی کوئی مختلف بات نہ کہی۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے اُن سے کہا: ”یہ حاکم وقت جو کچھ کہتا ہے آپ بانتے ہیں یہ واقعہ نبو امیہ کے عہد کا ہے، تو کیا میں ایسے لوگوں کو اپنی زکوٰۃ دے دوں؟“ اُن سب نے کہا: ”ہاں دے دو“ اس حدیث کو سعید بن مسعود نے اپنی سند میں روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”اپنی زکوٰۃ اپنے اولی الامر کے حوالے کر دو۔ اُن میں سے جو اس کا صحیح استعمال کرے وہ اپنے ہی لیے بہتر کرے گا۔ اور جو اس کا غلط استعمال کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔“

حضرت مُغیرہ بن شعبہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنے ایک غلام سے کہا جو طائف میں اُن کی بائیداد کا نگران تھا، تم میرے مال کی زکوٰۃ اور صدقات کو اکٹھا کرنے ہو، اس نے کہا: ”اے میں سے ملے پہنچتی تھے اسے صحیح یا حسن سند سے روایت کیا ہے۔“

اسلامی ریاست کا ایک اور قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے دنیا میں اُن اخلاقی اقدار کو فروغ ہوتا ہے جو حیاتِ اجتماعی میں توازن اور بھیراؤ پیدا کرتی ہیں۔ جب کسی مملکت میں حاکمیت انسان کی تسلیم کی جاتے گی تو قدرتی طور پر اس میں انسان کے بنائے ہوئے ضابطے اور قوانین نافذ ہونگے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی ملک کے سارے عوام ایک ہی جیسی قوت اور ایک جیسے اختیارات کے ساتھ تو قانون سازی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ کام انہیں مجبوراً اپنے میں سے ایک گروہ کو ہی سونپنا پڑتا ہے۔ یہ گروہ اس کے لیے اپنے خیال کے مطابق ضابطہ حیات مرتب کرتا ہے۔ اس سلسلے میں دو بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ایک تو انسانوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور میلانات کو کبیر نظر انداز کر کے محض انسانیت کی فلاح و بہبود کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی ضابطہ تشکیل دے سکیں۔ انسان میں فطری طور پر اتنی مکمل بے لوثی نہیں آ سکتی کہ وہ اپنی ذات سے بالکل الگ ہو کر سوچے۔ دوسرے اسے اپنی سربراہی قائم رکھنے کے لیے معاشرے کے ان بارسوخ افراد اور مضبوط گروہوں کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے جن کے بل پر وہ اس مقام پر زیادہ دیر تک فائز رہ سکے۔ اس لیے وہ لازمی طور پر آئین و قانون کی تشکیل میں اپنے ان مؤید گروہوں اور طبقات کا خیال رکھتا ہے اور نظامِ حیات اس انداز سے مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے حامی طبقوں کو زیادہ سے زیادہ دنیوی مراعات حاصل ہوں۔ اس لیے انسان جو نظام ترتیب دے گا اس میں لازمی طور پر بعض طبقوں کے حقوق پامال ہوں گے اور بعض کو اپنے جائز حصے سے زائد فوائد حاصل ہونے کا التزام ہوگا۔ انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی ضابطہ حیات میں تمام انسانوں کے ساتھ پوری طرح عدل و انصاف کا معاملہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک معاشرے کے اندر ہی ایک دوسرے کے مخالفت طبقات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس طرح ملک کے اندر لوٹ کھسوٹ کا بانسار گرم ہو جاتا ہے اور متوازن اور جامع نظامِ حیات نہ ہونے کی وجہ سے ملک مستقل طور پر بد امنی کا شکار رہتا ہے۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں آپ کسی ملک کا جائزہ لیں تو آپ وہاں بے چینی، اضطراب اور عدم تحفظ کی عام فضا پائیں گے۔ ہر گروہ دوسرے گروہ کا شاکہ اور ہر طبقہ دوسرے سے برسرِ پیکار ہے

عزت، سارے معاشرے کی خوشحالی، اور قوموں اور نیکو متوں کو بچائی اور جلدائی کی طرف متوجہ کرنا بھی شامل ہے۔ ہدایت کے اس مکمل نظام میں ایک شش زکوٰۃ کی بھی ہے جسے ادا کرنا اگرچہ فرد پر فرض ہے مگر اس کی تنظیم فرد کے فرائض میں نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل کی گئی ہے چنانچہ اسلام میں زکوٰۃ کا جمع کرنا اور اُسے مستحق افراد معاشرہ تک پہنچانا حکومت کے سپرد کیا گیا ہے نہ اسے لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں جن سے شرعی اسلام میں یہ احتیاجی نہیں برت سکتی:

- ۱۔ معاشرے میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جن سے ضمیمہ حب دنیا اور حب ذات کے سبب مردہ ہو گئے ہوں یا انہیں کوئی روحانی بیماری لاحق ہو گئی ہو۔ اگر فقرا، و مساکین کے حق و ایسے لوگوں پر چھوڑ دیا جائے تو اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ فقراء و مساکین کو ان کا حق لازمی طور پر مل جائے گا۔

- ۲۔ اگر فقیر اور محتاج شخص بجائے ایک دولت مند آدمی سے اپنے رکے حکومت سے اپنا حق وصول کرے تو اس کی عزت نفس اور آبرو محفوظ رہتی ہے اور اس کے احساسات مجروح نہیں ہوتے۔

- ۳۔ اگر تقسیم زکوٰۃ کے حاملے کو افراد پر چھوڑ دیا جائے تو تقسیم میں بدتمی پیدا ہو جائے ہو سکتا ہے کہ اکثر و بیشتر ایک ہی فقیر و محتاج کو زکوٰۃ دینے میں اور دوسروں کو نظر انداز کر دیں اور وہ انہیں تقسیم زکوٰۃ کے وقت یا ذبح ذرائع در آنسا لیکھ وہ اس فقیر سے زیادہ محتاج ہوں۔

۴۔ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء و مساکین اور مسافروں تک ہی محدود نہیں، بلکہ اس کے بعض مصارف وہ ہیں جن سے عامۃ المسلمین کا مفاد و البتہ ہوتا ہے، جس کا اندازہ افراد نہیں کر سکتے بلکہ اہل علم کی عمت کے اولو الامر اور اہل شوریٰ ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً مؤلفۃ القلوب کو دینا، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ساز و سامان تیار کرنا، اور دنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مبلغین کو تیار کرنا۔

- ۵۔ اسلام دین بھی ہے اور حکومت بھی۔ قرآن بھی ہے اور سلطان بھی۔ اس سلطان اور حکومت کو بھی مال کی ضرورت ہے جس سے وہ اسلامی نظام قائم کر سکے اور اس سلسلے میں اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اور اس مال کے حصول کے ذرائع کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زکوٰۃ حکومت کے خزانے یا بیت المال کے لیے ایک بڑا اہم اور دائمی ذریعہ آمدنی ہے۔

زکوٰۃ کا بیت المال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں یہ ایک بنیادی بات ہے کہ زکوٰۃ کے لیے ایک الگ بجٹ بنے اور آمدنی علیحدہ ہو جس میں سے صرف زکوٰۃ ہی کے مصارف پر خرچ کیا جائے۔ یہ خاص انسانی اور اسلامی مصارف ہیں۔ اس مال کو حکومت کے عام بجٹ میں نہیں ملانا چاہیے جو تناوہیج ہوتا ہے کہ اس میں مختلف منسوبے آتے ہیں اور اس کی آمدنی مصارف زکوٰۃ کے سوا دوسرے مصارف میں خرچ ہوتی ہے۔ سورہ توبہ کی جس آیت میں مصارف زکوٰۃ بیان کیے گئے ہیں اس میں فرمایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کا کام کرنے والے اپنی تنخواہ میں زکوٰۃ ہی سے لیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ایک مستقل بجٹ ہو اور زکوٰۃ کے انتظام و انصرام پر اُسی میں سے خرچ کیا جائے۔ زمانہ قدیم سے مسلمان اس آیت سے یہی سمجھتے آئے ہیں۔ انہوں نے حکومت اسلامی کے بیت المالوں کو چار قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے زکوٰۃ کا ایک الگ بیت المال مقرر کیا ہے :

۱۔ زکوٰۃ کا خاص بیت المال جس میں زکوٰۃ کی آمدنی اس کے جمع کرنے کا انتظام اور حسب ضرورت اس کے مصارف پر اُسے تقسیم کرنا شامل ہے۔

۲۔ تزیہ و خراج کی آمدنی کا بیت المال۔ تزیہ ایک ایسا مال ہے جو مسلمانوں کے درمیان رہنے والے غیر مسلموں سے اس شرط پر لیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے نفع و نقصان میں اُن کے شریک ہوں گے۔ جیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور دوسرے صدقات مثلاً صدقہ فطر، عبادات میں کمی بیشی اور گناہوں کے کفارے وغیرہ لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح غیر مسلموں سے تزیہ لیا جاتا ہے۔ نیز تزیہ لے کر مسلمان حکومت غیر مسلموں کو فوجی سربراہی میں شرکت کی تکلیف دینے بغیر اُن کا دفاع اور اُن کی حفاظت کرتی ہے۔ اور خراج ایک قسم کا مالانہیکس ہے جو کسی رقبہ زمین پر اُس کی طاعت کے مطابق لگایا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق وغیرہ پر لگایا تھا۔

۳۔ قناتم اور رکاز کا بیت المال (بعض لوگ کہتے ہیں کہ رکاز وغیرہ زکوٰۃ میں سے نہیں اور اسے زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ وہ ان کا بیت المال ہی الگ مقرر کرتے ہیں)۔

۴۔ گم شدہ چیزوں کا بیت المال: ان میں وہ مال آتے ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہ چل سکے اور وہ مال

جی آتے ہیں جن کا کوئی وارث نہ ہو۔

یہاں ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ ضا کا رانہ طور پر کیے گئے احسان یا ان شخصی فرائض میں سے نہیں ہے جنہیں صرف افرادِ معاشرہ کے قلب و ضمیر پر چھوڑ دیا گیا ہو ورنہ وہ چاہیں تو ادا کریں چاہیں تو نہ کریں، بلکہ یہ تو ایک فرضیہ ہے جس کی نگرانی اور اس کے جمع کرنے اور پھر مستحق افراد میں تقسیم کرنے کا انتظام حکومت کے ذمے ہے۔ یہ ایک قسم کی عبادت ہے جس میں ٹیکس کی سی خاصیت ہے، یا ایک قسم کا ٹیکس ہے جس میں عبادت کی روح کار فرما ہے۔ لہذا اس کی حفاظت اور ادائیگی کی نگرانی دو ٹولگان کرتے ہیں۔ ایک نارنجی نگران یعنی مسلمان حکومت اور سارا مسلم معاشرہ۔ دوسرا داخلی نگران جو مسلمان کے ضمیر، اس کے ایمان باللہ، رحمت حق کی امید اور عذابِ الہی کے خوف سے عبارت ہے۔ اہل بیت جب کوئی ایسی مسلمان حکومت موجود نہ ہو جو فقراء کے حق کی حفاظت کرنے اور اسے اشرار کے ہاتھوں سے بزدل چھین لینے میں خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سطرزِ عمل اختیار نہ کر سکے تو پھر فقیر اس اسلامی ضمیر کی کفالت میں رہے گا جو خدا سے امیدِ رحمت بھی رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا بھی ہے اور جس کا ایمان اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا ہمایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

(باقی)